مغل حکمرانوں اور مشائخ نقشبندیہ کے باہمی تعلقات کے اسباب: ایک تحقیقی مطالعہ

The Reasons for the Mutual Relations between Mughal Rulers and Naqshbandi Shaikhs: An Analytical Study

Qurat Ul Ain Fozia
PhD Scholar,
Department of Islamic Studies & Arabic,
Gomal University D.I Khan
Email: qafbaloch@gmail.com
Dr Hafiz Abdul Majeed
Assistant Professor,
Department of Islamic Studies & Arabic,
Gomal University D.I. Khan
Email: drhafizabdulmajed@gmail.com

Abstract
The Mughal Empire, enduring for approximately three and a half centuries in India, established its dominance through military conquests while earning public allegiance through service and religious engagement. A defining feature of this era was the robust relationship between Mughal rulers and Naqshbandi Sufis, who held significant spiritual and religious influence among the populace. This study investigates the factors fostering these mutual relations, emphasizing their shared commitment to promoting Islam, ideological alignment, and widespread public acceptance. From Babur to Aurangzeb Alamgir, both parties collaborated to preserve and propagate Islamic teachings, despite challenges posed by Akbar's Din-i-Ilahi. The research explores how the Naqshbandi Sufis' spiritual authority and intellectual prowess complemented the Mughal rulers' religious zeal, resulting in a synergistic partnership that profoundly shaped India's religious and cultural landscape. It highlights the progressive nature of both groups, their aligned objectives, and their collective efforts in countering religious deviations, thereby reinforcing Islam's presence in the subcontinent.
Keywords: Mughal Rulers, Naqshbandi Sufis, Islamic Propagation, Spiritual Authority, Ideological Alignment, Public Influence, Religious Reform, Din-i-Ilahi

تمہید:

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت (1526ء-1857ء) تقریباً ساڑھے تین صدیوں تک ایک عظیم سیاسی، ثقافتی اور مذہبی طاقت کے طور پر قائم رہی۔ بابر نے 1526ء میں اس سلطنت کی بنیاد رکھی، جو اپنے عروج کے زمانے میں نہ صرف فوجی قوت بلکہ عوامی مقبولیت اور دینی سرگرمیوں کی بدولت اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے میں کامیاب رہی۔ اس دور کی ایک نمایاں خصوصیت مغل حکمرانوں اور مشائخ نقشبندیہ کے درمیان مضبوط روابط تھے، جنہوں نے عوام میں اپنے روحانی اور دینی اثر و رسوخ کے ذریعے ہندوستان کے مذہبی منظر نامے کو تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ تعلقات دونوں فریقین کی ترقی پسند سوچ، اسلام کی ترویج کے لیے مشترکہ عزم، اور نظریاتی ہم آہنگی کی وجہ سے پروان چڑھے۔ بابر سے لے کر اورنگزیب عالمگیر تک، مغل بادشاہوں اور مشائخ نقشبندیہ نے مل کر اسلام کی حفاظت اور فروغ کے لیے کوششیں کیں، حالانکہ اکبر کے دور میں دین الٰہی کی وجہ سے کچھ چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا۔

اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مغل حکمرانوں اور مشائخ نقشبندیہ کے درمیان تعلقات کے قیام کے اسباب کا جائزہ لیا جائے، ان کے مشترکہ مقاصد کو اجاگر کیا جائے، اور ہندوستان میں اسلام کی ترقی پر ان کے اثرات کا تجزیہ کیا جائے۔ یہ مطالعہ اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ کس طرح مشائخ نقشبندیہ کی روحانی قوت اور علمی برتری نے مغل حکمرانوں کی دینی دلچسپیوں کے ساتھ مل کر ایک ایسی ہم آہنگی پیدا کی، جس نے ہندوستان کے مذہبی اور ثقافتی ڈھانچے کو مستحکم کیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں کے تعلقات و روابط کے قیام کے اسباب کیا تھے:

دونوں ترقی پذیر، قبولیت پذیر طاقتیں

تاریخ کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغل حکمران اور مشائخ نقشبند دونوں ترقی پذیر اور قبولیت پذیر طاقتیں رہی ہیں۔ دونوں میں ترقی کرنے کی صلاحیت تھی۔ دونوں عوامی حلقوں میں مقبول تھے۔ ہم نظر دوڑاتے ہیں کہ کس طرح ان دونوں کے درمیان تعلق بنا اور کس طرح پھلا پھولا۔ سید علی حسنین عابد نے انوار لاثانی میں لکھا ہے:

"بابر نے 1526ء میں ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ یہ حضرت مولانا محمد زاہد وخشیؒ کا زمانہ تھا۔ بابر کے دادا سلطان ابو سعید میرزا پر حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی نظر عنایت رہی تھی۔ چنانچہ شاہان مغلیہ نے ہمیشہ مشائخ نقشبندیہ کا احترام قائم رکھا۔"[1]

آئینہ فیض نقشبندیہ میں دیئے گئے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہان مغلیہ کو کس طرح مشائخ نقشبند کی روحانی طاقت کا اندازہ تھا اور وہ ان سے میدان جنگ میں بھی مدد کے خواہاں رہتے تھے:

"ہندوستان کے حکمران سلطان ابراھیم لودھی کے زمانہ میں بابر بادشاہ نے ہندوستان کو فتح کرنے کی کوشش کی دونوں بادشاہوں کی افواج کا مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں خوب خون ریزی ہوئی۔ بابر نے اپنی افواج کو مقابل افواج کے سامنے کم ہمت خیال کیا۔ اس نے اپنے ذہن میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے حلیہ کا تصور باندھا اور استمداد کا خواہاں ہوا۔ انھیں ایک سفید گھوڑا اور اس پر سفید لباس کا سوار دکھائی دیا۔ وہ دشمن کی فوج میں داخل ہوا اور جنگ کے خوب جوہر دکھانے لگا۔ اس سے مخالف افواج میں شور ہو گیا۔ بزرگ کا حلیہ لکھ لیا اور وہ حلیہ لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ سننے والوں نے بتایا کہ یہ حلیہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا نہیں ہے بلکہ مخدوم اعظم حضرت خواجگی احمد کاشانی دہ بیدیؒ کا ہے۔ کمانڈر نے اپنے ایک وزیر کو تحریر حلیہ کو اور بہت سے تحائف دے کر خانقاہ کی طرف روانہ کیا۔"[2]

بعد میں آنے والے مغل حکمران بھی عوام میں بہت زیادہ مقبول تھے۔ اکبر بادشاہ گو کہ بعد میں گمراہ ہو گیا تھا لیکن پہلے وہ اسلام سے انتہائی شغف رکھتا تھا۔ اسلام کی خاطر اس نے کئی احسن اقدامات اٹھائے، یہ اور بات ہے کہ بعد ازاں اس کی ذات سے اسلام کو نقصان بھی پہنچا۔ تاہم اس نے عوامی پذیرائی حاصل کرنے کی بہت کوشش کی اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی رہا۔ جہانگیر، شاہجہان اور عالمگیر کو بھی عوامی مقبولیت حاصل رہی۔ ان کی اسلام کے فروغ کے لئے کوششیں بھی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس دورانیے میں مشائخ نقشبند بھی عوامی سطح پر انتہائی مقبول تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کی اولاد و احفاد سبھی شوکت اسلام کے لئے ہمہ تن مصروف تھے۔ عوام کا رجحان بھی مشائخ نقشبند کی طرف تھا۔ اس وجہ سے وہ جوق در جوق ان مشائخ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

محمد دین کلیم نے لاہور میں اولیائے نقشبندیہ کی سرگرمیاں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جب حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مرشد کے حکم سے لاہور آئے تو چونکہ آپ کے فیضان علم اور کمالات کی بڑی شہرت ہوئی اس لئے بڑے بڑے علماء اور عمائدین اور اکثر و بیشتر مشائخ وقت نے آپ سے فیض حاصل کیا۔"[3]

اس بات پر مؤرخین کا اجماع ہے کہ اگر آپ کی ذات مقدسہ سرزمین ہند میں جلوہ افروز نہ ہوتی تو "دین الٰہی" کی تاریکی اسلام کے اجالوں کو چاٹ جاتی۔ رسائل مجدد الف ثانیؒ جس کو علامہ غلام مصطفیٰ مجددی نے ترتیب دیا ہے اس میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا قول نقل کیا گیا ہے:

"آج جو مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں، مدارس سے قال اللہ تعالیٰ و قال رسول اللہ ﷺ کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر و فکر ہو رہا ہے اور قلب و روح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے یالا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں تو ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بار منت ہے اگر حضرت مجدد اس الحاد و ارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو مساجد میں اذانیں ہوتیں اور نہ مدارس دینیہ میں قرآن، حدیث، فقہ اور باقی علوم کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین و ذاکرین اللہ کے روح افزاء ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے الاماشاء اللہ۔"[4]

بادشاہ اورنگ زیب کا میلان بھی طلب دین کی طرف تھا اس مقصد کے لئے اس نے نقشبندی مشائخ پر بھروسہ کیا۔ محمد نذیر رانجھانے لکھاہے:

"اورنگ زیب عالمگیر نے حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کر لیا تھا۔ وہ حضرت خواجہؒ سے باضابطہ اصلاح و تربیت کا طالب رہتا تھا۔ اس نے خواجہ محمد معصومؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ میں امور سلطنت میں مصروف ہونے کی وجہ سے حاضر خدمت ہونے سے قاصر ہوں۔ لہٰذا میری ہدایت و توجہ کے لئے اپنے گرامی قدر صاحبزادگان یا خلفائے عظام میں سے کسی کو روانہ فرمائیں۔ اس پر انھوں نے الہام الٰہی کے تحت بادشاہ کی تربیت کے لئے حضرت خواجہ سیف الدینؒ کو شاہ جہان آباد (دہلی شریف) جانے کی رخصت و اجازت مرحمت فرمائی۔ اس وقت حضرت خواجہ سیف الدینؒ کی عمر مبارک تقریباً ستائیس برس تھی۔"[5]

جب شیخ سیف الدین سرہندیؒ بادشاہ عالمگیر کے دربار میں پہنچے تو بادشاہ نے ان کو بے حد عزت دی اور ان کے کہنے کے مطابق اپنے معاملات کی اصلاح بھی کی۔ جس پر خواجہ معصومؒ نے اطمینان کا اظہار کیا۔

دونوں کے افکار و نظریات کی مماثلت

مغل حکمرانوں اور مشائخ نقشبند میں افکار و نظریات کی مماثلت بھی موجود تھی۔ ہندوستان میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں صوفیاء کرام خصوصاً مشائخ نقشبند نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ دونوں فروغ اسلام کے لئے سرگرم رہے۔ بابر اور ہمایوں کا جھکاؤ اسلام کی طرف تھا۔ ہمایوں کی موت کے واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اذان کا کس قدر احترام اس کے دل میں تھا۔ اکبر کی وجہ سے جو فساد پیدا ہوا جہانگیر نے اپنے دور اقتدار میں بڑی حد تک اس خلاء کو پر کیا۔ بعد ازاں شاہجہان نے بھی اسلام کے استحکام کی خاطر کوششیں کیں۔ اورنگزیب عالمگیر نے تو بے مثال اقدامات اٹھائے تا کہ اسلام پھلے پھولے۔ ان حکمرانوں کی کاوشوں کے لئے مہمیز کا کام مشائخ نقشبند نے انجام دیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ ہوں یا حضرت مجدد الف ثانیؒ یا ان کی اولاد و

احفاد ہوں تمام نے شریعت کے فروغ کی خاطر اپنی اپنی جگہ محنت کی۔ یہ افکار و نظریات کی مماثلت ہی تھی کہ دشمنوں کی بے پناہ چالوں اور جالوں کے باوجود اسلام اصل صورت میں ہندوستان موجود رہا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مقصد اسلام کی اشاعت و ترویج تھا اس سلسلے میں انھوں نے قید و بند کی سختیاں بھی برداشت کیں۔ اشاعت اسلام کے سلسلے میں ان کے نکتہ نظر کا اندازہ ان کے قید کے دوران بیٹوں کو لکھے گئے مکتوب سے لگایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر قریشی آپ کے ایک مکتوب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اے فرزندان عزیز! ابتلاء کا وقت اگرچہ تلخ و بے مزہ ہوتا ہے لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے۔ تم کو اب فرصت مل گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد بجالا کر اپنے کام میں لگے رہو اور ایک دم بھی فراغت و آرام اپنے لئے پسند نہ کرو اور تین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو، قرآن مجید کی تلاوت کرو، لمبی قراءت کے ساتھ نماز ادا کرو، کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا تکرار کرتے رہو۔ کلمہ لا الہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے سوا تمام جھوٹے خداؤں اور اپنے نفس کی نفی کرنی چاہئے اور اپنی تمام مرادوں اور مقصودوں کی نفی کرنا چاہئے کیونکہ اپنی مراد کو پیش نظر رکھنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے"[6]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی کوششوں اور قربانیوں کے واضح ثمرات نظر آتے ہیں کہ تبلیغ کا دائرہ اثر ایوانوں تک بھی جا پہنچا اور وہ مغلیہ سلطنت جو مطلق العنانی کی حد پر کھڑی تھی کس طرح شریعت کے سامنے سرنگوں ہو گئی۔ ڈاکٹر قریشی نے لکھا ہے:

"جہانگیر نے سجدہ تعظیمی قطعاً بند کر دیا۔ گائے کشی جو ہندوؤں کے دباؤ کے تحت حکماً بند کر دی گئی تھی پھر سے جائز قرار پائی اور اس پر عمل یوں ہوا کہ ہر رکن دربار نے دربار شاہی کے سامنے ایک ایک گائے ذبح کی اور گوشت کے کباب بنا کر سب نے کھائے۔ مسمار کی گئی مسجدیں دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم صادر ہوا۔ دربار سے متصل بھی ایک مسجد تعمیر کرنے کا فرمان جاری ہوا جس میں اراکین دربار بلکہ خود جہانگیر نماز ادا کرتے تھے۔ شرعی قوانین کا دوبارہ اجراء ہوا۔"[7]

اکبری بے دینی کے خلاف جدوجہد میں حضرت مجددؒ کے خلفاء بھی آگے بڑھے اور ان کوششوں کے بار آور ہونے میں اپنا کردار ادا کیا۔ محمد جمیل کیلانی نے لکھا ہے:

"اکبر کے الحادی دین کے خاتمہ کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ اس تحریک کی کامیابی کے لئے حضرت ایشاںؒ کے علاوہ حضرت علامہ عبد الحکیم سیالکوٹیؒ، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت شاہ بلال قادریؒ، حضرت میاں میر قادریؒ، حضرت شیخ الاسلام مفتی عبدالسلام سہر وردیؒ لاہوری

اور حضرت خواجہ طاہر بند گی لاہوریؒ وغیرہ علماء مشائخ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی آواز پر لبیک کہا اور ہر اول دستہ کا کردار کیا۔ علماء و مشائخ کی کوششوں سے اکبر بادشاہ، اکبری حکومت اور اکبری نظام کا قلع قمع کر کے رکھ دیا۔"[8]

اکبر کے الحادی دین کے خاتمہ کے بعد آنے والے ادوار میں ان مشائخ کی کوششوں کے کئی ثمرات نظر آتے ہیں:

"دور جہانگیری اور دور شاہ جہان میں علوم و فنون کو فروغ حاصل ہوا اور ان ادوار میں علماء و مشائخ نے خانقاہیں آباد کیں، مساجد کا جال بچھا دیا گیا۔ مرکزی شہروں سے لے کر چھوٹے دیہاتوں تک ہر آبادی میں اسلامی مدارس قائم کئے گئے۔ حکومت کی طرف سے باقاعدہ علماء و مشائخ، دینی مدارس، خانقاہوں اور اشاعت علوم اسلامیہ میں مالی معاونت کی گئی۔ شاہ جہان علم و علماء کا قدر دان تھا انھوں نے حکومتی سرپرستی میں مدارس قائم کئے، لائبریریاں قائم کیں اور علماء و مشائخ کے وظائف مقرر کئے۔ اس طرح دور شاہ جہان کو "علوم و معارف" کا دور کہا جا سکتا ہے۔"[9]

ان بادشاہوں کے اقدامات کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دونوں کے افکار و نظریات کی مماثلت کے باعث ہی اس قدر احسن کام انجام دیئے جا سکے۔ اگر مشائخ نقشبندیہ کی کاوشیں نہ ہوتیں تو باطل عقائد کے حامی امراء دین کی صورت بگاڑ دیتے۔

مشائخ نقشبند کی دینی اور روحانی قوت

بعض لوگوں کے اذہان میں یہ خیال آسکتا ہے کہ یہ مشائخ شاید دور جدید کے صوفیوں کی مانند کم علم، کم ہمت، حریص اور جاہ پرست اشخاص تھے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ مشائخ روحانی اور علمی دونوں میدانوں میں یکتا تھے۔ سید نظام الدین احمد کاظمی، عرفانیات باقی میں بتاتے ہیں:

"ہندوستان میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں صوفیاء کرام خصوصاً مشائخ نقشبند نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ ان مشائخ میں ہندوستان میں تشریف لانے والے پہلے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہؒ تھے۔ ظاہری علوم کی کچھ کتابیں پڑھنی ابھی باقی تھیں کہ ان پر جذبات الٰہیہ کا غلبہ ہوا اور آپ نے راہ سلوک اختیار فرمائی۔ ایک دن آپ کو ایک فاضل نے دیکھ کر کہا اگر کچھ دن اور آپ علم حاصل کر لیتے تو بہتر ہوتا تاکہ آپ کی مولویت پایۂ کمال اور اکمال کو پہنچ جاتی۔ آپ نے عرض کیا کہ مولویت سے مراد مشکل متداول کتابوں کا حل کرنا ہے۔ میں بغیر کسی ادعا کے کہتا ہوں کہ جس کتاب کا حل کرنا فضلاء کے نزدیک مشکل ہو میرے سامنے پیش کریں ان شاء اللہ تسلی بخش طور پر حل کر دوں گا۔"[10]

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی علوم عقلی و نقلی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مولوی رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مجدد الف ثانیؒ نے سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد سے خلافت پائی تھی اور سلسلہ قادریہ کی اجازت شیخ سکندر کیتھلی سے ملی۔ حجاز جانے کے ارادہ سے دہلی پہنچے، وہاں حضرت خواجہ باقی باللہؒ امکنگی سے ملاقات ہوئی۔ ان سے سلسلہء نقشبندیہ میں بیعت کی۔ دو ماہ اور کچھ دن میں سلسلہ نقشبندیہ میں ان کو نسبت حضوری حاصل ہو گئی۔"[11]

حسام الدینؒ کو اکبری دربار سے بہت دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں بتایا ہے:

"حضرت حسام الدینؒ جو حضرت باقی باللہؒ کے مرید تھے، ان پر سلطان وقت (اکبر) کی شفقت بہت تھی اور شیخ ابوالفضل رکن السلطنت کے آپ داماد ہوتے تھے۔ اس لئے ان دونوں کو آپ کے ساتھ اس امر میں کمال خصومت تھی کہ آپ فقر سے غنا کی طرف رجوع کریں۔ آپ تنگ ہو کر خواجہ صاحب سے شکایت کرتے، آپ فرماتے خاطر جمع رکھو اس کا کاروبار چند روز ہی میں درہم برہم ہونے والا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا آپ نے فرمایا تھا کہ چند ہی روز کے بعد وہ (ابوالفضل) مقتول ہوا۔"[12]

مولوی رحمان علی نے خواجہ محمد معصومؒ کے متعلق لکھا ہے:

"حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ سولہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ علوم عقلی و نقلی کے جامع اور کمالات صوری و معنوی کے مخزن تھے۔ مقام قطبیت اور منصب قیومیت کی بشارت اپنے والد بزرگوار سے پائی۔ ان کی توجہ سے احمدیہ مجددیہ سلسلہ تمام دنیا میں شائع ہوا۔ ایک عالم نے احوال بلند اور مقامات ارجمند حاصل کئے۔ مقامات الٰہیہ کا کشف اس قدر حاصل تھا کہ ولایات بعیدہ کے رہنے والے منتسبین کے متعلق اعلان فرما دیتے کہ فلاں نے ولایت موسویہ حاصل کی اور فلاں ولایت محمدیہ سے مشرف ہوا۔ نو لاکھ آدمی ان کے ہاتھ پر مرید ہوئے اور سات ہزار حضرات کو انھوں نے خلافت دی۔ ان کی خدمت میں طالب ایک ہفتہ میں مرتبہ فنا اور ایک ماہ میں مرتبہ کمال ولایت حاصل کر لیتا تھا۔ اور کسی کو ایک توجہ میں تمام مقامات طے کرا دیتے تھے۔ اسی طرح ان کے بیٹے اپنے عہد کے قطب تھے۔ انھوں نے ساتوں ولایتوں کو منور کیا۔"[13]

علاوہ ازیں یہ مشائخ دنیاداری سے الگ تھلگ رہ کر محض دین داری کے ہو کر نہ رہے تھے بلکہ آپ نے لوگوں کے ساتھ ربط رکھا تا کہ ان کی اصلاح کر سکیں۔ انوار لاثانی میں درج ہے:

"صوفیاء اور مشائخ میں خواجہ باقی باللہؒ کی پذیرائی اور بلند مقام کے علاوہ جو بات توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ آپ

حضرت خواجہ احرارؒ کے اس نظریہ سے خوب واقف تھے کہ بادشاہوں اور امراء سے رابطہ کر کے انھیں مسخر کر کے اقامت دین اور مسلمانوں کے آرام کا اہتمام کیا جائے۔ اس قلیل عرصہ میں دربار اکبری کے جس قدر امراء آپ سے متاثر ہوئے وہ بھی حیران کن امر ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے ذریعے حضرت باقی باللہؒ نے اکبری عہد کی مذہبی اختراعات کے خلاف جوابی تحریک کی بنیاد رکھی۔ یہ تحریک آپ کے شہرہ آفاق خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں پھلی پھولی اور بالآخر دین الٰہی اور اس کے اثرات کا قلع قمع ہو گیا۔"[14]

جب حضرت مجدد الف ثانیؒ جہانگیر کے حکم سے قید کئے گئے تو انھوں نے قید خانے میں اپنے واعظ اور تلقین سے سینکڑوں ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ ان حضرات کو علوم باطنی میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

"حضرت مجدد الف ثانیؒ عمر بھر نبی اکرم ﷺ کی اداؤں کے متوالے رہے۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خواہ وہ سرہند میں گذرا یا قید خانے میں یا لشکر شاہی کی مصاحبت میں، نشر خیر کا سبب تھا۔ سنت کی پاسداری کا ہر لمحہ خیال رہتا تھا۔ متوسلیں کو بھی اس جانب متوجہ کرتے رہتے تھے اور برملا فرماتے تھے کہ مرشد کی اقتداء اس وقت تک ہے جب تک وہ سنت رسول اکرم ﷺ پر عمل پیرا رہے کہ مرشد ایسا رہنما ہے جو متوسلین کا ہاتھ تھامے دربار رسالت میں حاضر کر دے۔"[15]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس ارشاد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک وہ شخص مرشد بننے کے قابل ہی نہیں تھا جو سنت نبوی ﷺ پر عمل نہ کرے۔ کیونکہ اگر مرشد خود سنت نبوی ﷺ کا عامل ہو گا تو اس کے مرید بھی ویسا ہی عمل کریں گے۔ جس سے امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بخشش فرما دے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کا موقع مل جائے۔

مغل حکمرانوں کی دینی دلچسپی

مغل بادشاہوں کی دین اسلام کے ساتھ دلچسپی "مغل دور عروج" میں جتنے جوش خروش کے ساتھ نظر آتی ہے بعد میں آنے والے سلاطین کے ادوار میں یہ شوق گھٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جن بادشاہوں کے دور میں یہ عروج حاصل کرتا رہا اس کا جائزہ اس طرح لیا جا سکتا ہے۔ بابر کی دینی اور علمی دلچسپی کا ذکر کرتے ہوئے عبد القادر بدایونی اپنی تصنیف منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں:

"بابر کی ایجادوں میں سے ایک خط بابری تھا۔ چنانچہ قرآن اس خط میں لکھ کر مکہ معظمہ کو بھیجا تھا۔ اور ایک دیوان بھی اس کا ترکی و فارسی کے شعروں میں مشہور ہے۔ اور اس بادشاہ نے فقہ حنفی میں بھی ایک کتاب مبین نام بفتح یای مثناہ تحتانی بصیغۂ مفعول لکھی اور شیخ زین نے اس کے اوپر ایک شرح مبین نام بکسر یای تحتانی

بصیغۂ فاعل لکھی ہے۔ فن عروض میں بھی اس بادشاہ کے رسالے مشہور ہیں۔"[16]

بابر کی دلچسپی اور کام دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اسلام سے کس قدر شغف تھا۔ ان کی اس دلچسپی نے انھیں عوام میں قبولیت عام بخشی۔ بابر کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں جانشین ہوا وہ بھی اسلام کے ساتھ محبت رکھتا تھا۔ ہمایوں کا باقاعدہ حضرت خواجہ خاوند محمود کی ارادت اختیار کرنا اس کی روحانی اور دینی دلچسپی کو ظاہر کرتا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، باقیات باقی میں قلمبند کرتے ہیں:

"جنت آشیانی (ہمایوں) پہلے خواجہ خاوند محمودؒ (بن خواجہ محمد عبد اللہ بن خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرارؒ) کے مرید ہوئے، پھر شیخ محمد غوث کے ہوئے اس کے بعد ہندوستان سے چلے گئے۔"[17]

سلسلہ نقشبندیہ کے ساتھ جڑنے کے علاوہ بھی ہمایوں کی اسلام سے عقیدت کی مثالیں بکثرت ہیں۔

"ہمایوں کے بھی کمالات ظاہری اور باطنی حد سے زیادہ تھے۔ نجوم اور ہیت کے تمام شریف علموں میں بے نظیر تھا۔ عالموں، فاضلوں، بزرگوں اور شاعروں کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اور خود بھی شعر کہتا تھا۔ ہر وقت با وضو رہتا تھا اور خدا اور رسول ﷺ کا نام کبھی بے وضو نہیں لیتا تھا اور اگر کسی ایسے نام کے جو لفظ عبد اور اللہ کے کسی نام سے مرکب ہوتا تھا زبان پر لانے کی ضرورت ہوتی تو فقط عبد پر اکتفا کرتا تھا، مثلاً عبد الحیی کو فقط عبدل کہتا تھا۔ اور رقعہ وغیرہ کی پیشانی پر بجائے لفظ کے گیارہ کا ہندسہ لکھ دیتا جو لفظ اللہ کے عدد ہیں۔"[18]

ہمایوں بادشاہ کی مزید خوبیاں جن سے اس کے اسلامی ذوق کا علم ہوتا ہے عبد القادر بدایونی نے اس طرح بیان کی ہیں:

"ہمایوں بادشاہ انتہائی سخی تھا۔ کبھی گالی نہیں دی۔ ہمیشہ دایاں پاؤں پہلے رکھتا اگر اس کی مجلس میں کوئی اور بھی الٹا پاؤں پہلے رکھ لیتا تو اسے واپس بھیجتا اور دایاں پاؤں رکھنے کا کہتا۔ باحیا ایسا تھا کہ کبھی قہقہہ سے نہ ہنستا تھا۔ جب دوبارہ تسخیر ہندوستان کا ارادہ کیا تو شیخ حمید سنبھلی مفسر کابل تک اس کے استقبال کو گئے ہمایوں ان کا بہت معتقد تھا۔ ایک دن انھوں نے کہا کہ میں اس بار تمھارے سارے سارے لشکر کو رافضی پاتا ہوں۔ ہمایوں نے پوچھا کیسے؟ تو انھوں نے کہا کہ تمھارے سارے لشکر کے نام یار علی، کفش علی اور حیدر علی وغیرہ ہیں کسی اور خلیفہ کے نام پر کسی کا بھی نام نہیں۔ ہمایوں کو یہ سن کر سخت غصہ آیا اور کہا کہ میرے دادا کا نام خود عمر شیخ تھا۔ بعد میں نرمی کے ساتھ اپنے اچھے عقیدوں سے مطلع کیا۔"[19]

ہمایوں کا جانشین اکبر شروع میں ایک سیدھا سادا مسلمان تھا لیکن بعد میں مذہبی بے راہ روی کا شکار ہو گیا۔ اس کا بیٹا جہانگیر مسلمانوں کے لئے اسلامی قوانین کے نافذ کرنے میں کوشاں رہا۔

"قدرت نے فطری طور پر جہانگیر کو بہتر استعداد اور صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں وہ جس طرح اپنے ذاتی حقوق، منافع اور عیش و عشرت کی حفاظت چاہتا تھا، اسی طرح وہ رعایا کے راحت و آرام اور آسودگی کا بھی خواہاں تھا۔ نئے سکوں پر کلمہ ءشہادت نقش کرانا مذہب پسندی کی کافی دلیل ہے۔ شب جمعہ میں علماء و صلحاء سے مصاحبت رکھتا تھا۔ عبادت میں رات گذارتا۔ اس وقت شراب قطعاً نہ چھوتا۔ اکبر آفتاب کے ناموں کی تسبیح پڑھا کرتا تھا۔ مگر جہانگیر نے علماء سے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ لکھوائے اور ان کا ورد رکھا کرتا تھا۔ اکبر نے دربار میں جماعت نماز ممنوع کر دی تھی اور صفیں بھی خارج کرادی تھیں مگر جہانگیر نے ہرنوں کی کھالوں کی جانمازیں بنوا کر دیوان عام میں ڈلوادیں تا کہ ان پر نماز پڑھا کریں"۔[20]

جہانگیر کی دینی دلچسپی کے بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں: "اکبر نے ہندوؤں کے عقیدے کے بموجب خنزیر کی تعظیم شروع کرادی تھی۔ مگر جہانگیر نے اجمیر میں سنگ سیاہ کی ایک مورتی جس کا سر خنزیر اور دھڑ آدمی کا تھا کو تڑوا کر تالاب میں ڈلوادیا۔ کشمیر جاتے ہوئے معلوم ہوا کہ راجور محل کے اطراف میں نو مسلموں میں اب تک یہ رسم جاری ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی زندہ قبر میں دفن کر دیتے ہیں۔ غریب آدمی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کو مار ڈالتا ہے۔ نیز ہندوؤں کو لڑکیاں دیتے ہیں۔ جہانگیر نے ان تمام کی ممانعت کی۔"[21]

جہانگیر کے بعد شاہ جہان تخت نشین ہوا اس کا رجحان بھی مشائخ نقشبند کی طرف رہا۔ سید قاسم محمود نے لکھا ہے:

"اسی طرح شاہ جہان کی دینی دلچسپی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ شاہزادہ خرم کو حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بہت زیادہ عقیدت تھی۔ اس نے اپنے خاص معتمد افضل خان کو حضرت مجددؒ کی خدمت میں بھیجا اور فقہ کی کتابیں ان کے ساتھ کر دیں، اور عرض کیا کہ جب کہ علماء نے سجدہ تعظیمی کو جائز قرار دیا ہے۔ اگر جناب والا، بادشاہ سے ملاقات کے تحت سجدہ کر لیں تو میں ذمہ دار ہوں کہ جناب کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔"[22]

مزید بر آں شاہ جہان کو حضرت ایشاں کے ساتھ بھی نسبت رہی۔ آئینہ فیض نقشبندیہ میں مذکور ہے:

"شاہ جہان کو حضرت ایشاں خواجہ خاوند محمودؒ سے بھی خاص محبت و عقیدت تھی۔ انہوں نے اپنے دور میں علوم اسلامیہ کو فروغ دیا۔ اور ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے دینی مدارس کے قیام کی سرپرستی کی۔ لاہور سے پشاور تک ہر گاؤں میں دینی مدرسہ قائم تھا۔ جن میں دین کی آزادانہ تعلیم دی جاتی تھی۔"[23]

شاہ جہان کا جانشین اورنگ زیب عالمگیر بھی مشائخ نقشبند کے ساتھ منسلک رہا۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے بیعت و ارادت کا تعلق تھا اور روحانی ترقی کے لئے خواجہ معصومؒ کے فرزندان و خلفاء کے ساتھ بھی ربط میں رہا۔ محمد نذیر رانجھا کہتے ہیں:

"عالمگیر کے حالات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عالمگیر جیسے بیدار مغز اور خود دار بادشاہ کا ستائیس سالہ نوجوان (شیخ سیف الدین سرہندیؒ) کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا، بادشاہ کے کمال اخلاص اور نوجوان کے کمال استعداد کا بین ثبوت ہے۔ بادشاہ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے فرستادہ خلیفہ کا گرویدہ ہوگیا اور اس نے حضرت عروۃ الوثقیٰ کی خدمت میں اس حسن انتخاب پر شکریہ کا خط لکھا۔"[24]

اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے ادوار کی بے ضابطگیوں کو دیکھتے ہوئے اورنگزیب عالمگیر نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ چنانچہ جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے اپنی تمام کوششیں ان خرابیوں کا قلع قمع کرنے میں صرف کر دیں۔

"اس نے بھنگ وغیرہ کی کاشت کرنے کی ممانعت کر دی، شراب نوشی ممنوع قرار دی، جوا بند کر دیا، بدکاری کے خلاف پوری کوشش کی، بازاری عورتوں کو حکم دیا کہ یا تو وہ شادی کر لیں یا ملک چھوڑ دیں، ان احکام کی تعمیل کرانے کے لئے محتسب مقرر کئے۔"[25]

بقول شیخ محمد اکرام اس کے علاوہ اس کے اہم کام درج ذیل ہیں:

"۱۶۶۴ء میں اس نے ستی کی ممانعت کی اور بچوں کو بطور غلام یا خواجہ سرا بیچنے کے خلاف احکام جاری کئے۔ اس کے علاوہ اس نے خود اپنی پرہیز گاری اور سادگی سے اپنی رعایا کے لئے نیک مثال قائم کی۔ بادشاہ کے درشن کو موقوف کیا۔ اگرچہ وہ خود موسیقی کا ماہر تھا لیکن اس نے گانے والوں اور گانے والیوں کو دربار سے ہٹا دیا۔ اس کی سالگرہ پر جو اسراف ہوتا تھا اسے ترک کر دیا، اور شاہجہان کی ضیافتوں اور فضول خرچیوں کی وجہ سے رعیت پر جو ٹیکسوں کا بوجھ پڑا ہوا تھا اسے ہلکا کر دیا۔ اس نے تقریباً اسی ٹیکس معاف کئے۔ وہ عالموں اور بزرگوں کی قدر کرتا۔ اس نے ملک کا انتظام شرع کے اصولوں پر قائم کیا تھا۔ اس نے تمام ملک کے قابل علماء کو جمع کر کے فتاویٰ عالمگیری کے نام سے حنفی فقہ کی ضخیم کتاب مرتب کرائی جو اب تک بڑی اہم اور مستند سمجھی جاتی ہے۔"[26]

اورنگ زیب عالمگیر کی یہ کوششیں تنہا اس کی نہیں تھیں بلکہ ان کوششوں میں مشائخ نقشبندیہ کا کردار بھی نظر آتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد اور احفاد کی مساعی نا قابل فراموش ہیں۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ، خواجہ شیخ سیف الدینؒ اور ان کے برادران کو بادشاہ کے دربار میں رسوخ حاصل تھا اس بناء پر بادشاہ کی اصلاح کی طرف نظر رہی۔ آپ صاحبان کے مکتوبات کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے بادشاہ کو وقتاً فوقتاً مکتوبات لکھے۔ حضرت شیخ سیف الدینؒ کے کہنے پر بادشاہ نے کئی بت توڑے اور اپنی باطنی اصلاح کا بھی خواستگار رہا۔

خلاصہ

1) مغل حکمران اور مشائخ نقشبندیہ دونوں عوام میں مقبول اور ترقی پذیر قوتیں تھیں۔ عوام کے اعتماد اور عقیدت نے ان کے باہمی تعلقات کو مزید مضبوط کیا۔

2) بابر سے لے کر اورنگ زیب تک مغل بادشاہوں کے خاندان پر مشائخ نقشبندیہ خصوصاً حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی نظر عنایت رہی، جس نے یہ تعلقات استوار رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

3) اسلام کے فروغ، شریعت کے نفاذ اور باطل نظریات کی بیخ کنی میں مغل حکمرانوں اور مشائخ نقشبندیہ کا مقصد مشترک تھا، جس سے فکری و نظریاتی مماثلت قائم رہی۔

4) مشائخ نقشبندیہ علمی و روحانی طاقت کے حامل تھے۔ ان کی بصیرت اور دینی استقامت نے مغل بادشاہوں کو عملی و فکری رہنمائی فراہم کی۔

5) بابر، ہمایوں، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب جیسے حکمران اسلام سے گہری وابستگی رکھتے تھے اور مشائخ نقشبندیہ کی صحبت سے اپنے دینی رجحانات کو مزید تقویت دیتے رہے۔

6) دینِ الٰہی اور دیگر باطل نظریات کے خلاف مشائخ نقشبندیہ خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک نے مغل حکمرانوں کو ان کے ساتھ وابستہ رہنے پر آمادہ رکھا۔

7) ان تعلقات کے نتیجے میں مساجد، مدارس، خانقاہیں اور اسلامی لائبریریاں قائم ہوئیں۔ حکومت نے مشائخ اور علماء کو سرپرستی دی، جس سے اسلام کی ترویج مزید مستحکم ہوئی۔

حوالہ جات:

1. سید، عابد حسنین علی، وغیرہ، انوار لاثانی، ص ۳۱۲، (پاکستان: ادارہ تحریر و تالیف بزم لاثانی، ۲۰۰۹)۔
2. کیلانی، محمد جمیل، آئینہ فیض نقشبندیہ، ص ۲۷، (لاہور: تحریک تعلیمات نقشبندیہ، ۲۰۱۵)۔
3. محمد دین، کلیم، لاہور میں اولیائے نقشبندیہ کی سرگرمیاں، ص ۳۲، (لاہور: مکتبہ تاریخ، ۱۹۶۸)۔
4. سرہندی، شیخ احمد، رسائل مجدد الف ثانی، ص ۱۰، (لاہور: قادری رضوی کتب خانہ، ۲۰۰۹)۔
5. رانجھا، محمد نذیر، تاریخ و تذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ مجددیہ۔ ص ۶۱۔
6. قریشی، محمد اسحاق، ڈاکٹر، جمال نقشبند، ص ۲۹۵، (فیصل آباد: البغداد پرنٹرز، ۲۰۱۲)۔
7. ایضاً، ص ۲۹۷۔

8. کیلانی، محمد جمیل، آئینہ فیض نقشبندیہ، ص۱۵(لاہور: تحریک تعلیمات نقشبندیہ، ۲۰۱۵)۔
9. کیلانی، محمد جمیل، آئینہ فیض نقشبندیہ، ص۱۵۔
10. کاظمی، نظام الدین احمد، عرفانیات باقی، ص۱۲-۱۳، (دہلی: مجموعہ خواجہ باقی پریس)۔
11. رحمان علی، مولوی، تذکرہ علمائے ہند۔(مترجم: محمد ایوب قادری)، ص۸۸، (کراچی: مشہور آفسٹ پریس کراچی، ۱۹۶۱)
12. کشمی، محمد ہاشم، زبدہ المقامات۔(ترجمہ: ملک فضل الدین ککے زئی)، ص۸۳، (لاہور: منشی نول کشور پرنٹنگ پریس، ۱۰۳۷ھ)۔
13. رحمان علی، مولوی، تذکرہ علمائے ہند۔ ص۴۰۷۔
14. مجددی، بشیر احمد، مفتی وغیرہ، انوار لاثانی، ص۳۲۷، (پاکستان: ادارہ تحریر و تالیف بزم لاثانی، ۲۰۰۹)۔
15. قریشی، محمد اسحاق، ڈاکٹر، جمال نقشبند۔ ص۳۰۰۔
16. بدایونی، عبدالقادر، منتخب التواریخ۔(مترجم: مولوی محمد احتشام الدین)، ص۱۳۸-۱۳۹، (انڈیا: منشی نول کشور، لکھنؤ)۔
17. غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر، باقیات باقی، قلمی نسخہ۔ ص۳۸۔
18. بدایونی، عبدالقادر، منتخب التواریخ۔ ص۱۹۹۔
19. ایضاً۔ ص۲۰۰۔
20. سید، قاسم محمود، اسلام کی احیائی تحریکیں اور عالم اسلام، ، ص۴۱، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۲)۔
21. ایضاً۔
22. ایضاً۔ ص۵۸۔
23. کیلانی، محمد جمیل، آئینہ فیض نقشبندیہ، ص۳۸، (تحریک تعلیمات نقشبندیہ، ۲۰۱۵)۔
24. رانجھا، محمد نذیر، تاریخ و تذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ مجددیہ، ، ص۷۱، (لاہور: جمعیۃ پبلی کیشنز، ۲۰۰۶)۔
25. شیخ، محمد اکرام، رود کوثر، ، ص۴۵۸، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۵ء)۔
26. ایضاً۔ ص۴۵۹۔